12

اِس زمانہ میں اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کی تڑپ سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوئی

دعا کرو کہ آپ کی یہ تڑپ ہمارے ذریعہ پوری ہو تا قیامت کے روز اسلام کی فتح کا جھنڈا ہم آپ کے قدموں میں ڈال سکیں اور آپ یہ جھنڈا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈالتے ہوئے یہ کہہ سکیں کہ اے میرے آقا! دراصل یہ تیری ہی فتح کا جھنڈا ہے

(فرمودہ 25 اپریل 1958ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورة فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میری بیماری کے پچھلے تین سالوں میں جو کسی قدر مجھے صحت ہوئی تھی وہ گو درمیان میں آ کر رُک گئی تھی اور بعض عوارض شروع ہو گئے تھے لیکن پھر بھی گزارہ ہو جاتا تھا اور خیال تھا کہ اب کے پہاڑ پر جانے کی وجہ سے شاید اَور زیادہ فائدہ ہو لیکن اس سال گرمی اِس غضب کی پڑی ہے کہ پچھلے سال جب ہم مئی کے مہینہ میں پہاڑ پر گئے تھے تو وہاں لحاف اوڑھ کر سوتے تھے لیکن اس دفعہ پہاڑ پر بھی اتنی

گرمی پہنچی ہے کہ وہاں بھی بغیر کپڑے کے سونا پڑا ہے اس لیے پہاڑ پر جا کر جو فائدہ ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہوا۔ یہاں تو انتہائی گرمی ہے۔کل یہاں درجہ حرارت ایک سو بارہ تھا۔

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی مَیں اخبارات پڑھا کرتا تھا تو ایک دفعہ اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی کہ جیکب آباد میں درجہ حرارت ایک سو گیارہ تک جا پہنچا ہے اور اِس پر شور مچ گیا تھا کہ دوزخ کا منہ کھل گیا ہے۔ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوزخ سال میں دو دفعہ سانس لیتا ہے۔ایک سانس تو وہ گرمی میں لیتا ہے اور ایک سانس سردی میں لیتا ہے۔1 اِس دفعہ بھی گرمی اتنی شدید ہے کہ کمزور آدمی اس کی برداشت کی طاقت نہیں رکھتا۔ نوجوان آدمی تو اس کی پروا نہیں کرتا۔آخر اس گرمی میں دوست روزے بھی رکھتے رہے ہیں اور سارا مہینہ بعض لوگ درس بھی دیتے رہے ہیں۔اب تو کمزوری کی وجہ سے میں زیادہ کام نہیں کر سکتا لیکن اپنی جوانی کے زمانہ میں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ادھیڑ عمر میں یعنی 1922ء میں مَیں نے وہ درس دیا تھا جو تفسیر کبیر (سورۃ یونس تا کہف) کی صورت میں چھپا ہوا ہے۔اُس وقت میری عمر چونتیس سال کی تھی اور قرآن کریم میں خدا تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ ''کہل'' میں باتیں کیا کرتے تھے2 اور تاریخ سے پتا لگتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو تینتیس سال میں نبوت ملی تھی اور باتیں کرنے سے یہی مراد ہے کہ آپ نبوت والی باتیں کیا کرتے تھے ورنہ اڑھائی تین سال کی عمر میں سارے بچے باتیں کرنے لگ جاتے ہیں اور اس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی کوئی فضیلت نہیں رہتی۔عام طور پر نبوت چالیس سال کے بعد ملتی ہے لیکن اُس زمانہ میں لوگوں کو جلد پیغام پہنچانے کے لیے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو تینتیس سال کی عمر میں ہی نبوت کا مقام عطا کر دیا گیا تھا۔اور 1922ء میں میری عمر چونتیس سال کی تھی یعنی وہ کہولت کی عمر تھی۔گو درحقیقت یہی عمر جوانی کی انتہائی طاقت کی ہوتی ہے ورنہ جس عمر کو عُرفِ عام میں جوانی کہا جاتا ہے وہ ایک رنگ میں بچپن کا زمانہ ہوتا ہے۔ بہرحال جب میری عمر چونتیس سال کی تھی تو میری یہ حالت تھی کہ میں رمضان کے مہینہ میں روزہ رکھ کر درس دیا کرتا تھا اور یہ درس میں نو بجے صبح سے شروع کیا کرتا تھا اور شام کو ساڑھے پانچ بجے کے قریب ختم کیا کرتا تھا اور بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوا کہ روزہ کھول کر میں نے درس بند کیا۔مجھے یاد ہے کہ بعض دفعہ ایسا ہوا کہ درس ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ اذان ہوگئی، ہم نے روزہ کھولا، نماز پڑھی اور پھر دوبارہ درس

دینا شروع کر دیا۔ لیکن اب یہ ہوا کہ رمضان آیا تو میں نے کہا کہ رمضان میں قرآن کریم کی زیادہ تلاوت کرنی چاہیے۔ چنانچہ میں نے اس مہینہ میں تلاوت قرآن کریم شروع کر دی اور بارہ سیپارہ روزانہ کی تلاوت کی۔ بعض دفعہ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے میں بیہوش ہو چلا ہوں لیکن پھر بھی ہمت کر کے پڑھتا چلا گیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دے دی کہ میں نے اپنا ارادہ پورا کر لیا اور آخری دم تک برابر بارہ پارے قرآن کریم کے پڑھتا رہا۔ یوں حافظ تو شاید اس سے بھی زیادہ پڑھ سکتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے قرآن کریم حفظ کیا ہوتا ہے اس لیے وہ جلدی جلدی پڑھ سکتے ہیں لیکن جب وہ تلاوت کر رہے ہوتے ہیں تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا تلاوت کر رہے ہیں۔ ہماری جماعت کے ایک مخلص دوست مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرانے صحابی اور حکیم محمد عمر صاحب کے والد تھے۔ وہ بڑے نیک انسان تھے۔ لیکن جب قرآن کریم پڑھا کرتے تو اتنی جلدی جلدی پڑھتے کہ پتا نہیں لگتا تھا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ لیکن اگر قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے تو بارہ سیپارے روزانہ پڑھ لینا بڑی ہمت کا کام ہوتا ہے سوائے اِس کے کہ جو حصہ زیادہ کثرت سے پڑھا ہوتا ہے وہ نسبتاً جلدی نظر سے گزر جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی آخری سورتیں مجھے اکثر یاد تھیں۔ اگرچہ اب میں ان میں سے کچھ حصہ بھول گیا ہوں لیکن پھر بھی جب میں ان پر پہنچتا تھا تو میری رفتار بہت تیز ہو جاتی تھی۔ شروع میں رفتار کمزور ہوتی تھی کیونکہ صحت کی کمزوری کی وجہ سے توجہ ہٹ جاتی تھی مگر آخری حصہ باوجود بیماری کے جلدی گزر جاتا تھا۔

پس یہ گرمی ایک استثنائی صورت میں پڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کی حفاظت کرے کیونکہ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ گرمی دوزخ کا ایک نمونہ ہے۔3 میں نے بتایا ہے کہ پچھلے سال ہم مئی میں پہاڑ پر گئے اور وہاں ہم لحاف لے کر سوتے تھے لیکن اس دفعہ وہاں دروازے اور کھڑکیاں کھول کر سونا پڑتا تھا۔ اِسی طرح پچھلے سال وہاں کا ٹمپریچر پچاس درجہ سے بھی کم تھا لیکن اس دفعہ چورانوے تھا اور یہ بہت بڑا فرق ہے۔

بہرحال آج شوریٰ کا اجلاس بھی ہے اور دوستوں کو وہاں جانا پڑے گا اس لیے میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری شوریٰ میں برکت ڈالے اور ہمیں ایسا کام کرنے کی توفیق دے جس کے نتیجہ میں اسلام دنیا کے چاروں کونوں میں پھیل جائے اور یہ کام اِس چھوٹی سی جماعت

سے نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف خدا تعالیٰ کی مدد سے ہی ہو سکتا ہے۔ اصل میں تو چھوٹے چھوٹے کام بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی ہو سکتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر کام جس میں کچھ نہ کچھ اہمیت نظر آتی ہو اُس سے پہلے استخارہ کر لیا کرو۔4 اس کے معنے یہی ہیں کہ درحقیقت سب کام خدا تعالیٰ کی مدد سے ہوتے ہیں لیکن دنیا کو دلائل اور قرآن کریم کے ساتھ فتح کرنا تو بہت بڑا کام ہے۔ قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۔5 یعنی ہمارے رسول نے ہمارے پاس فریاد کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے رب! میری قوم نے اِس قرآن کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا ہے۔ اب بتاؤ کہ جس قرآن کو مسلمان بھی اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک رہے ہوں اُس قرآن کو اپنے ہاتھ میں لے کر ان عیسائیوں میں نکل جانا جو اُنیس سو سال سے برابر اسلام کو مٹانے کے لیے زور لگا رہے ہیں اور اسلام اور قرآن کریم کو دوبارہ قائم کرنا کیا کوئی معمولی بات ہے۔ اس کے لیے تو ہمیں ہمیشہ یہ دعائیں کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مبلغوں کو کامیاب کرے اور دوسرے نوجوانوں کو بھی جن میں طاقت اور ہمت ہے خدا تعالیٰ توفیق دے کہ وہ اپنی زندگیاں وقف کر کے دین کی خدمت کے لیے آگے نکل آئیں۔

میں نے اس غرض کے لیے وقفِ جدید کی تحریک جاری کی تھی اور اُمید تھی کہ واقفین بڑا اچھا کام کریں گے اور گو اِس کو جاری ہوئے ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہے لیکن پھر بھی بعض لوگوں کو باہر گئے ہوئے دو دو ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے مگر جو نتائج ابھی تک ظاہر ہوئے ہیں وہ کوئی خوشکن نہیں ہیں۔ چنانچہ پچھلے سال مارچ کے مہینے میں دو سو آدمیوں نے بیعت کی تھی لیکن اِس سال مارچ کے مہینہ میں صرف ایک سو ایک کی بیعت ہوئی ہے۔ گویا وقفِ جدید کے اجرا کے بعد بیعت آدھی رہ گئی ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ انہوں نے صحیح معنوں میں کوشش نہیں کی ورنہ بیعت کا نہ صرف پہلا معیار قائم رہنا چاہیے تھا بلکہ اس سے بھی ترقی کرنا چاہیے تھا۔ اگر یہ لوگ ہماری توقع کے مطابق کام کریں اور جماعت کے دوست بھی اپنے فرائض کو سمجھیں اور خدا اور اُس کے رسول کا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں تو یہ ممکن ہی نہیں کہ لوگوں پر اثر نہ ہو۔ دیکھ لو اسلام پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا تھا جبکہ منافق مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جاؤ، اب تمہاری خیر نہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ منافق کھلے بندوں کہتے پھرتے تھے کہ اب تو مسلمان عورتوں کو باہر

پاخانہ پھرنے کو بھی جگہ نہیں ملتی اور یہ لوگ مکہ فتح کرنے کے دعوے کرتے ہیں6 مگر دیکھ لو ابھی چند سال بھی نہیں گزرے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوگئے۔ اُس وقت مکہ والے ایسے گھبرائے ہوئے تھے کہ انہوں نے فتح مکہ سے چند دن پہلے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا تا کہ صلح حدیبیہ والے معاہدہ کی ابتدا اُس دن سے شمار کی جائے جب ابوسفیان اس کی توثیق کردے اور وہ مسلمانوں کو مکہ پر حملہ کرنے سے باز رکھے۔ ان لوگوں کو یہ تشویش اس لیے پیدا ہوئی کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ فیصلہ ہوا تھا کہ عرب قبائل میں سے جو چاہیں مکہ والوں سے مل جائیں اور جو چاہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جائیں اور یہ کہ دس سال تک دونوں فریق کو ایک دوسرے کے خلاف لڑنے کی اجازت نہیں ہوگی سوائے اِس کے کہ ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ کر کے معاہدہ کو توڑ دے۔ اس معاہدہ کے ماتحت عرب کا قبیلہ بنوبکر مکہ والوں کے ساتھ مل گیا تھا اور خزاعہ قبیلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گیا تھا۔ صلح حدیبیہ پر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بنوبکر نے قریشِ مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے معاہد قبیلہ خزاعہ پر حملہ کر دیا اور اُن کے کئی آدمی مار ڈالے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس واقعہ کا علم ہوا اور آپ کو اس کا یقیناً علم ہوگا تو آپ معاہدہ کی حرمت کو قائم رکھنے کی خاطر مکہ والوں پر حملہ کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے چاہا کہ پیشتر اِس کے کہ مدینہ میں اس معاہدہ شکنی کی خبر پہنچے ابوسفیان وہاں جائے اور اس بارے میں کوشش کرے۔ مگر پیشتر اِس کے کہ قریشِ مکہ کی اس عہد شکنی کی مدینہ میں اطلاع پہنچتی حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات تہجد کے وقت جب وضو کرنے کے لیے اُٹھے تو میں نے سنا کہ آپ بلند آواز سے فرما رہے ہیں لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ اور پھر آپ نے تین دفعہ فرمایا نُصِرْتَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ ۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے کیا فقرات فرمائے ہیں؟ یہ تو ایسے الفاظ ہیں جیسے آپ کسی شخص سے گفتگو فرما رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ابھی دیکھا ہے کہ خزاعہ کا ایک وفد میرے پاس آیا ہے اور اُس نے کہا ہے کہ قریش نے بنوبکر کے ساتھ مل کر اُن پر حملہ کر دیا ہے آپ معاہدہ کے مطابق ہماری مدد کریں اور میں نے کہا کہ میں تمہاری مدد کے لیے تیار ہوں۔7

چنانچہ تیسرے دن اس قبیلہ کے نمائندے مدینہ پہنچ گئے اور انہوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ بعد میں ابوسفیان آیا اور اس نے کہنا شروع کر دیا کہ چونکہ صلح حدیبیہ کے وقت میں موجود نہیں تھا اس

لیے وہ کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ اب میں نئے سرے سے معاہدہ کرنا چاہتا ہوں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ آخر اُس نے بیوقوفی سے خود ہی مسجد میں جا کر یہ اعلان کر دیا کہ چونکہ میں اِس معاہدہ میں شامل نہیں تھا اور میں مکہ کا رئیس ہوں اس لیے وہ معاہدہ درست نہیں ہوسکتا۔ اب میں نئے سرے سے معاہدہ کرتا ہوں۔ یہ بات سن کر مسلمان اُس کی بیوقوفی پر ہنس پڑے اور وہ سخت شرمندہ ہوا۔ بعد میں ابوسفیان نے کہا کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے کہا تھا کہ تم مسجد میں جا کر اِس قسم کا اعلان کر دو۔ خدا تعالیٰ بنو ہاشم کا بُرا کرے انہوں نے مجھے ذلیل کیا ہے۔ چونکہ بنو ہاشم اور بنو امیہ دونوں خاندانوں میں دیر سے رقابت چلی آتی تھی اس لیے ابوسفیان نے خیال کیا کہ حضرت علیؓ نے اس مخالفت کی وجہ سے مجھے یہاں مسلمانوں کے سامنے ذلیل کیا ہے لیکن یہ بیان صرف ابوسفیان کا ہے جو اُس وقت کافر تھا۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اِس پر یقین کیا جائے۔ اس کے بعد ابوسفیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف آیا۔ اُس کی ایک بیٹی حضرت اُمِ حبیبہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیاہی ہوئی تھیں۔ وہاں ایک گدّا بچھا ہوا تھا۔ وہ اُس پر بیٹھنے لگا تو حضرت اُمِّ حبیبہ نے وہ گدّا اُس کے نیچے سے کھینچ لیا۔ ابوسفیان نے کہا بیٹی! میں اس گدّا کے قابل نہیں ہوں یا یہ گدّا میرے قابل نہیں ہے؟ اُس نے یہ خیال کیا کہ چونکہ میں بڑا آدمی ہوں اس لیے شاید میری بیٹی نے میرے اعزاز کی وجہ سے یہ گدّا اُٹھا لیا ہے۔ حضرت اُمِّ حبیبہ نے کہا اے میرے باپ! معاف کرنا تم میرے باپ ہو اور ادب کی جگہ ہو مگر اس گدّا پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے ہیں اور تم ایک مشرک اور ناپاک شخص ہو سو میں اس گدّا پر جس پر خدا تعالیٰ کا رسول نماز پڑھا کرتا ہے خدا تعالیٰ کے دشمن کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ابوسفیان جھٹ اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا میری بیٹی! تُو تو میرے بعد بہت بگڑ گئی ہے۔ اس کے بعد ابوسفیان مکہ والوں کو اپنی ناکامی کی خبر دینے کے لیے واپس لَوٹا اور اِدھر اسلامی لشکر جو دس ہزار کی تعداد میں تھا مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ کے قریب خیمہ زن ہو گیا۔ مکہ والے چونکہ بہت زیادہ خوف زدہ تھے انہوں نے ابوسفیان کو پھر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ دوبارہ مسلمانوں کے پاس جائے اور انہیں جنگ سے باز رکھے مگر مکہ سے تھوڑی دور نکلنے پر ہی ابوسفیان نے رات کے وقت جنگل کو آگ سے روشن پایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا تھا کہ ہر خیمہ کے آگے آگ روشن کی جائے۔ ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ کون

لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ فلاں قبیلہ کے لوگ ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا اُس قبیلہ کے لوگ تو بہت تھوڑے ہیں اور اِن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ وہ نہیں ہوسکتے۔ ساتھیوں نے پھر کہا یہ فلاں قبیلے کے لوگ ہوں گے۔ ابوسفیان نے کہا میں جانتا ہوں کہ اس قبیلہ کے لوگ بھی تھوڑے ہیں۔ یہ ان سے بہت زیادہ ہیں۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اندھیرے میں سے آواز آئی۔ ابوحنظلہ (یہ ابوسفیان کی کنیت تھی)۔ ابوسفیان نے آواز پہچان کر کہا عباس! تم یہاں کہاں؟ انہوں نے جواب دیا سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر پڑا ہے۔ ابوسفیان گھبرایا اور اپنی سواری پر کھڑا ہوگیا۔ اس نے خیال کیا کہ اب میری شامت آگئی ہے کیونکہ میں نے ساری عمر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ دیا ہے۔ حضرت عباسؓ جو ابوسفیان کے گہرے دوست تھے اور پہرہ پر مقرر تھے انہوں نے کہا کم بخت! جلدی سے میرے پیچھے سواری پر بیٹھ جا۔ ورنہ عمرؓ میرے پیچھے آ رہا ہے وہ تیری خبر لے گا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کا ہاتھ پکڑا اور کھینچ کر اپنے پیچھے بٹھالیا اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچے۔ وہاں پہنچتے پہنچتے ابوسفیان مبہوت سا ہو چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ حالت دیکھی تو حضرت عباسؓ سے فرمایا عباس! تم ابوسفیان کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور رات کو اپنے پاس رکھو۔ صبح میرے پاس لانا۔ چنانچہ ابوسفیان ساری رات حضرت عباسؓ کے پاس رہا۔ جب صبح اُسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو فجر کی نماز کا وقت تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے اور دس ہزار کا لشکر پیچھے صف باندھے کھڑا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رکوع کے لیے اپنا سر جھکایا تو دس ہزار مسلمان آپ کی اتباع میں نیچے جھک گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے کھڑے ہوئے تو دس ہزار مسلمان کھڑے ہوگئے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گرے تو دس ہزار افراد سجدہ میں گر گئے۔ پھر سجدہ سے اُٹھے تو دس ہزار افراد سجدہ سے اُٹھ بیٹھے۔ پھر دوبارہ سجدہ کے لیے جھکے تو دس ہزار افراد سجدہ میں جھک گئے۔ پھر سجدہ سے اُٹھ کر تشہّد کے لیے بیٹھے تو دس ہزار افراد تشہد میں بیٹھ گئے۔ ابوسفیان نے سمجھا کہ شاید میرے لیے یہ کوئی نئی قسم کا عذاب تجویز ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے حضرت عباسؓ سے جو پہرہ پر مقرر ہونے کی وجہ سے نماز میں شریک نہیں ہوئے تھے دریافت کیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا ابوسفیان! گھبراؤ نہیں، یہ تمہارے مارنے کی تیاری نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے

ہیں اور یہ مسلمان تو ایسے ہیں کہ اگر آپؐ فرمائیں کہ کھانا چھوڑ دو تو وہ کھانا بھی چھوڑ دیں۔ ابوسفیان پر اس بات کا بہت اثر ہوا اور اُس نے کہا میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا ہے اور قیصر کا دربار بھی دیکھا ہے لیکن اُن کی قوموں کو بھی میں نے ان کا ایسا فدائی نہیں دیکھا جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اس کی فدائی ہے کہ آپ نیچے جھکے تو سب لوگ جھک گئے، سجدہ میں گرے تو سب لوگ سجدہ میں چلے گئے، تشہّد کے لیے بیٹھے تو سب لوگ تشہّد میں بیٹھ گئے۔ یہ بے نظیر اطاعت ہے جو میں نے کہیں اَور نہیں دیکھی۔8

جب نماز ختم ہو چکی تو حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کر لو؟ ابوسفیان نے کچھ تردّد کا اظہار کیا لیکن پھر کچھ خوف کی وجہ سے اور کچھ حضرت عباسؓ کے زور دینے کی وجہ سے اس نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔9 پھر اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ تو بڑے مہربان ہیں، مکہ والے آپ کے رشتہ دار ہیں، کوئی اُن کے بچاؤ کی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہر شخص جو اپنے گھر کے دروازے بند کر لے گا اُسے امن دیا جائے گا۔ حضرت عباسؓ نے کہا یارسول اللہ! ابوسفیان کی عزت کا بھی کچھ سامان کر دیا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا! جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اُسے بھی امن دیا جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا یارسول اللہ! میرا گھر کتنا بڑا ہے؟ اُس میں تو سب لوگ نہیں آ سکتے۔ بیشک جو لوگ اندر آ گئے وہ تو امن میں آ جائیں گے مگر باقی لوگوں کا کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا جو شخص خانہ کعبہ میں گھس جائے گا اُسے بھی امن دیا جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا یارسول اللہ! خانہ کعبہ بھی سارے مکہ والوں کو اپنے اندر نہیں سما سکتا اور نہ ہی ہر شخص اعلان سن سکتا ہے۔ کوئی ایسی صورت پیدا کی جائے جو ہر شخص کو نظر آ جائے۔ آپ نے فرمایا اچھا کچھ کپڑا لاؤ۔ چنانچہ کپڑا لایا گیا اور آپ نے اُس کا ایک جھنڈا بنایا اور وہ جھنڈا ابورویحہؓ کے ہاتھ میں دیا جن کو آپ نے حضرت بلالؓ کا بھائی بنایا ہوا تھا اور فرمایا جو شخص اس جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو گا اُسے بھی پناہ دی جائے گی۔10

اِس حکم میں کیا ہی لطیف حکمت تھی۔ مکہ والے حضرت بلالؓ کے پَیروں میں رسّہ ڈال کر انہیں تپتی ریت پر گھسیٹا کرتے تھے۔ انہیں تپتی ریت پر لِٹا کر اُن کے سینہ پر بڑے بڑے بھاری جوتوں

سمیت کُودا کرتے تھے۔ چنانچہ اُن کی پیٹھ کا رنگ گرگٹ کی پیٹھ کا سا ہو گیا تھا اور وہ بالعموم اپنی پیٹھ دوسرے لوگوں کو دکھایا کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ آج بلالؓ کا دل انتقام کی طرف بار بار مائل ہوتا ہوگا اِس لیے اُس کا انتقام لینا بھی ضروری ہے لیکن میرا انتقام شاندار ہونا چاہیے۔ میری شانِ نبوت یہ ہے کہ میں سب کو معاف کر دوں لیکن بلالؓ خیال کرے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا اور میرا انتقام یونہی رہا۔ اِس حکمت کے پیشِ نظر آپ نے ایک جھنڈا بنا کر آپ کے ایک بھائی کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا جو شخص اس جھنڈے کے نیچے کھڑا ہوگا اُسے بھی امن دیا جائے گا اور بلالؓ کو کہا کہ تم ساتھ ساتھ یہ اعلان کرتے جاؤ تا وہ سمجھ لیں کہ آج میری وجہ سے مکہ والوں کو معاف کیا گیا ہے۔ یہ انتظام فرما کر آپ مکہ میں داخل ہوئے۔

آپ نے حضرت خالدؓ کو ایک دوسری جانب سے شہر میں داخل ہونے کا ارشاد فرمایا تھا اور انہیں سختی سے حکم دیا تھا کہ جب تک کوئی شخص تم سے لڑائی نہ کرے تم نے کسی سے لڑائی نہیں کرنی لیکن جس طرف سے حضرت خالدؓ مکہ میں داخل ہوئے غالباً اُس طرف امن کا پیغام نہیں پہنچا تھا اِس لیے اُس علاقہ کے لوگوں نے حضرت خالدؓ کا مقابلہ کیا جس میں اُن کے 24 آدمی مارے گئے۔ کسی نے دوڑ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچا دی۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو بلایا اور سرزنش کی۔ حضرت خالدؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی ہدایت مجھے یاد ہے لیکن ان لوگوں نے ننگی تلواروں کے ساتھ ہمارا رستہ روکا اور ہم پر حملہ کیا۔ 11 اگر یہ لوگ ہم پر حملہ نہ کرتے تو میں بھی ان لوگوں کو قتل نہ کرتا۔

بہرحال اِس خفیف سے واقعہ کے سوا اَور کوئی واقعہ نہ ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہو گئے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس آ کر کھڑے ہوئے تو مکہ کے سارے رؤساء جو آپ پر تُھوکا کرتے تھے اور آپ کو مارا اور دکھ دیا کرتے تھے آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور آپ نے فرمایا اے مکہ کے لوگو! تمہیں یاد ہے کہ میں نے توحید کا نعرہ بلند کیا اور تم نے مجھے گالیاں دیں، میں نے خدائے واحد کی پرستش کے لیے تمہیں کہا اور تم نے مجھ پر جھوٹے الزامات لگائے، میں نے تم کو نیکی اور تقوی کی تعلیم دی مگر تم نے کہا کہ یہ شخص روپیہ کمانا چاہتا ہے یا شاید کسی خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن خدا نے میری مدد کی۔ میں اکیلا تھا اور تم ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ سارا عرب تمہارے ساتھ تھا۔ تم نے دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ کے نشانات کس طرح

لفظ بلفظ پورے ہوئے۔ اب بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ مشرکینِ مکہ کی خوش قسمتی تھی کہ انہوں نے حضرت یوسفؑ کا واقعہ کہیں سے سنا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کیا کہیں۔ جو سلوک یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا وہی سلوک آپ ہم سے کریں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔12 آج تم پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی۔ جاؤ میں نے تم سب کو معاف کر دیا ہے۔ چنانچہ مکہ والے خوش خوش اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور مسلمانوں کی تلواریں اپنے میانوں کے اندر چلی گئیں۔ وہ تو چاہتے تھے کہ آج مشرکینِ مکہ کو تلواروں سے ریزہ ریزہ کر دیں۔ آخر وہ واقعات جو اُن کے سامنے گزرے تھے اُن کی آنکھوں کے آگے پھر رہے تھے۔

ایک دفعہ آپؐ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ کسی نے آپ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی لا کر رکھ دی۔ وہ کافی بوجھل تھی۔ اُس کے بوجھ کی وجہ سے اُس وقت تک آپ اپنا سر نہ اُٹھا سکے جب تک کہ حضرت فاطمہؓ نے جو ابھی چھوٹی عمر کی تھیں دَوڑ کر آپ سے اُس اوجھڑی کو نہ ہٹایا۔13

اِسی طرح ایک دفعہ آپ عبادت کر رہے تھے کہ لوگوں نے آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر کھینچنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ وہاں آ گئے اور انہوں نے آپ کو چُھڑایا اور کہا اے لوگو! کیا تم ایک شخص کو صرف اِس جرم میں قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے خدا میرا آقا ہے۔ آخر یہ تم سے کچھ مانگتا تو نہیں۔ صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے، اُس کی عبادت کرو مگر تم اِسے مارنے لگ جاتے ہو۔14

یہ ان لوگوں کی حالت تھی اور تم سمجھ سکتے ہو کہ جب اِن دکھی مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ پر غلبہ عطا کر دیا تو ان کے دلوں کی کیا حالت ہوگی مگر اِس کے باوجود جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو معاف کر دیا تو انہوں نے بھی انہیں معاف کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمان جنگِ بدر کے بعد ایمان لائے تھے۔ جنگِ بدر کے بعد انہوں نے ایک دن حضرت ابوبکر کو سنایا کہ آپ ایک دفعہ زور سے حملہ کرتے ہوئے ہمارے لشکر تک پہنچ گئے تھے اور میں ایک پتھر کے پیچھے چُھپا ہوا تھا۔ تلوار میرے ہاتھ میں تھی اور میں اگر چاہتا تو آپ پر حملہ کر سکتا تھا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ آپ میرے باپ ہیں اس لیے میں نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تیری قسمت اچھی تھی کہ تُو مجھے نظر نہ آیا ورنہ خدا کی قسم! اگر میں تجھے دیکھ لیتا تو میں تیری بوٹیاں اُڑا دیتا اور

اِس بات کی قطعاً پروانہ کرتا کہ تُو میرا بیٹا ہے۔15 اب آپ لوگ دیکھ لیں کہ ایسے غیرت مند لوگوں کے لیے اہل مکہ کو معاف کرنا کس قدر مشکل تھا لیکن انہوں نے معاف کیا بلکہ اُن لوگوں کو بھی جنہیں معاف کیا گیا تھا یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی اور وہ حیران ہوئے کہ انہیں کیسے معاف کیا گیا ہے۔

ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ اُن لوگوں میں شامل تھا جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا کہ ان کے بعض ظالمانہ قتلوں اور ظلموں کی وجہ سے انہیں قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ ڈر کے مارے حبشہ کی طرف بھاگ گیا۔ اس کی بیوی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اُس نے کہا یارسول اللہ! کیا آپ کو یہ اچھا لگتا ہے کہ آپ کے بھائی کا بیٹا عکرمہ آپ کے ماتحت رہے یا یہ اچھا لگتا ہے کہ وہ حبشہ جا کر عیسائیوں کے ماتحت رہے؟ آپ نے فرمایا وہ بیشک یہاں رہے ہم اُسے کچھ نہیں کہیں گے، ہم اُسے معاف کرتے ہیں۔ اُس نے کہا وہ ساحلِ سمندر کی طرف بھاگ کر چلا گیا ہے اور اِس انتظار میں ہے کہ اُسے کوئی کشتی مل جائے تو وہ اُس میں سوار ہو کر حبشہ چلا جائے۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں وہاں جا کر اُسے واپس مکہ لے آؤں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں اجازت دیتا ہوں، تم بڑی خوشی سے اُسے واپس لے آؤ۔ عکرمہ کی بیوی نے پھر کہا یارسول اللہ! وہ بڑا غیرت مند ہے۔ شاید آپ کے دل میں یہ خیال ہو کہ وہ یہاں آ کر مسلمان ہو جائے گا وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ کیا آپ اِس امر کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنے آباء واجداد کے مذہب پر قائم رہ کر یہاں رہے؟ آپ نے فرمایا وہ بیشک اپنے مذہب پر قائم رہے ہم اُسے مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ عکرمہ کے پیچھے ساحلِ سمندر پر پہنچی۔ عکرمہ ابھی کشتی پر سوار نہیں ہوئے تھے۔ اُس نے کہا اے میرے چچا کے بیٹے! (عرب عورتیں اپنے خاوندوں کو چچا کا بیٹا کہا کرتی تھیں) کیا تجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تُو اپنے بھائی کے ماتحت رہے یا یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تُو کسی غیر ملک میں جا کر کسی غیر بادشاہ کے ماتحت رہے؟ عکرمہ نے کہا کیا تجھے پتا نہیں کہ اگر میں مکہ میں رہا تو میں مارا جاؤں گا؟ بیوی نے کہا نہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر لی ہے۔ اگر تُو مکہ میں واپس چلا جائے گا تو تجھے مارا نہیں جائے گا، تجھے پناہ دی جائے گی۔ عکرمہ کہنے لگے تُو مجھ سے دغا تو نہیں کر رہی؟ وہ کہنے لگی کیا میں اپنے خاوند سے دغا کروں گی؟ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس بارہ میں اجازت حاصل کر کے آئی ہوں۔ چنانچہ عکرمہ مان گئے اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ مکہ واپس گئے۔ مکہ

آ کر انہوں نے اپنی بیوی سے کہا مجھے تیری باتوں پر تب یقین آئے گا جب وہ باتیں جو تُو نے کہیں ہیں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے بھی کہلوا دے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ راستباز انسان ہیں جھوٹ نہیں بولتے۔ چنانچہ ان کی بیوی انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی۔ عکرمہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری بیوی کہتی ہے کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے اب آپ مجھے کچھ نہیں کہیں گے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ٹھیک کہتی ہے۔ انہوں نے کہا میری بیوی نے مجھے یہ بات بھی بتلائی ہے کہ آپ مجھے مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کریں گے کیا یہ بات بھی سچ ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ عکرمہ حیران ہوئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ جو شخص اتنے شدید دشمنوں کو بھی معاف کر سکتا ہے وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے یہ بات سنتے ہی فوراً کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ رَسُوْلُہٗ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عکرمہ! یہ کیا بات ہے؟ عکرمہ نے کہا یا رسول اللہ! میں آج تک آپ کا مخالف تھا اور مجھے یقین نہیں تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں لیکن آج آپ نے جو سلوک مجھ سے کیا ہے وہ خدا تعالیٰ کے رسولوں کے سوا اَور کوئی نہیں کر سکتا۔16 میرے باپ اور دوسرے رشتہ داروں نے آپ کو تنگ کیا، آپ کو مارا اور کئی مسلمانوں کو قتل کیا اور پھر یہیں تک بس نہیں کی بلکہ ہماری بعض عورتوں نے مسلمان شہیدوں کے کلیجے نکلوا کر کچے چبائے، آپ کی بیٹی کو مدینہ جاتے ہوئے اونٹ سے گرایا جس کی وجہ سے اُن کا حمل ساقط ہو گیا اور وہ خود بھی اِسی صدمہ کی وجہ سے فوت ہو گئیں۔ ان سب باتوں کے باوجود جب آپ کو غلبہ ملا تو آپ نے ہم سب کو معاف کر دیا۔ یہ کام خدا تعالیٰ کے رسولوں کے سوا اَور کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ کا یہ سلوک دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اِسی لیے میں نے کلمہ پڑھا ہے۔

پھر دیکھ لو حضرت عکرمہؓ کا وہ کلمہ پڑھنا کیسا سچا تھا۔ ایک موقع پر جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رومیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو حضرت خالدؓ نے کہا دشمن کی ہراول فوج ساٹھ ہزار کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ صرف ساٹھ مسلمان میرے ساتھ جائیں اور وہ مسلمان ایسے ہوں جو جان دینے کے لیے تیار ہوں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے انہیں سمجھایا کہ خالد! یہ بہت بڑی قربانی ہے۔ سارے چیدہ چیدہ

مسلمان مارے جائیں گے مگر حضرت خالدؓ نے کہا اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہمارا دشمن پر رُعب نہیں پڑے گا۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ مان گئے اور جو ساٹھ آدمی منتخب کیے گئے اُن میں حضرت عکرمہؓ بھی شامل تھے۔ اس جنگ میں رومی لشکر کا کمانڈر انچیف ایک ایسا شخص تھا جس سے بادشاہ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ جیت گیا تو وہ اُسے اپنی آدھی سلطنت دے دے گا اور اپنی لڑکی اُس کے نکاح میں دے دے گا۔ چنانچہ ساٹھ آدمی حملہ کے لیے چلے گئے۔ ان میں حضرت فضل بن عباسؓ بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے رومی لشکر پر اِس تیزی سے حملہ کیا کہ گو دشمن ساٹھ ہزار کی تعداد میں تھا اور یہ صرف ساٹھ افراد تھے مگر دشمن گھبرا گیا اور یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ ساٹھ آدمی انسان ہیں یا جنّ ہیں۔ یہ لوگ لشکر کے عین وسط میں گھس گئے اور اُس جگہ پر پہنچ گئے جہاں کمانڈر انچیف تھا اور وہاں جا کر اسے ٹانگ سے پکڑ کر سواری سے نیچے گھسیٹ لیا اور اُسے مار ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا لشکر بھاگ گیا 17 مگر کمانڈر انچیف پر حملہ کرنا آسان نہیں تھا۔ یہ سارے لوگ یا تو زخمی ہو گئے یا وہیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ چند زخمی صحابہؓ ایک ایک جگہ پڑے ہوئے تھے کہ ایک شخص پانی لے کر وہاں پہنچا۔ حضرت عکرمہؓ کی اسلام لانے سے پہلے بھی بڑی شان تھی اور اسلام لانے کے بعد بھی بڑی شان تھی۔ اس لیے وہ پہلے ان کے پاس گیا اور کہنے لگا عکرمہ! آپ شدید پیاسے معلوم ہوتے ہیں تھوڑا سا پانی پی لیں۔ حضرت عکرمہؓ نے اپنے دائیں طرف دیکھا تو حضرت فضل بن عباسؓ بھی زخمی پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس شخص کو کہا مجھے نظر آ رہا ہے کہ اِس وقت میرا ایک اَور ساتھی پانی کا سخت محتاج ہے۔ وہ مجھ سے پہلے اسلام لایا ہے اس لیے مجھ سے زیادہ مستحق ہے۔ تمہیں خدا کی قسم! پہلے انہیں پانی پلاؤ پھر میرے پاس آنا۔ چنانچہ وہ شخص اُن کے پاس گیا اور اُن سے پانی پینے کے لیے کہا لیکن انہوں نے بھی پاس والے زخمی صحابی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ پہلے انہیں پانی پلاؤ پھر میرے پاس آؤ۔ وہ سات صحابہؓ تھے۔ پانی پلانے والا شخص پانی لے کر ساتوں کے پاس باری باری گیا لیکن ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ جب آخری صحابی کے پاس پہنچا تو وہ فوت ہو چکے تھے اور جب وہ واپس عکرمہؓ کے پاس آیا تو وہ بھی دم توڑ چکے تھے۔ 18 تو دیکھو اتنے شدید دشمن کو بھی خدا تعالیٰ نے کس قدر مخلص بنا دیا تھا۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے اندر ایسا تغیر پیدا کر لیں اور ایسے اعمال بجا لائیں جن سے لوگوں

کی دشمنی دور ہو جائے اور ہماری محبت اُن کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔ مگر اِس کے یہ معنے نہیں کہ دین کے معاملہ میں مداہنت سے کام لیا جائے۔ یہ کام تو منافق بھی کر سکتا ہے۔ حقیقی ایمان کی علامت یہ ہے کہ جہاں اپنوں اور بیگانوں سے حُسنِ سلوک کیا جائے وہاں دین کے معاملہ میں ایسی غیرت رکھی جائے کہ اگر عزیز سے عزیز وجود کو بھی خدا تعالیٰ کے لیے ترک کرنا پڑے تو انسان اسے فوراً ترک کر دے۔ صحابہؓ کو دیکھ لو انہوں نے اپنے ایمان کا ایک عظیم الشان مظاہرہ کیا۔ عبداللہ بن اُبی بن سلول نے ایک موقع پر کہا تھا اور قرآن کریم میں بھی اس کا ذکر آتا ہے کہ مجھے مدینہ میں داخل ہو لینے دو مدینہ کا سب سے زیادہ معزز شخص یعنی وہ کمبخت خود سب سے زیادہ ذلیل شخص یعنی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکال دے گا۔19 یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی۔ عبداللہ بن اُبی بن سلول کا بیٹا جس کا پہلا نام حباب تھا مگر بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا نام بھی عبداللہ رکھ دیا تھا بھاگتا ہوا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اُس نے کہا یا رسول اللہ! میرے باپ نے ایسی بات کہی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کی سزا سوائے قتل کے اَور کوئی نہیں ہو سکتی، میں صرف یہ درخواست کرنے کے لیے آیا ہوں کہ اگر آپؐ نے اسے قتل کرانا ہو تو مجھ سے کرائیں تا ایسا نہ ہو کہ کوئی اَور صحابیؓ اسے قتل کرے تو بعد میں کسی وقت مجھے جوش آ جائے اور میں اُسے قتل کر بیٹھوں اس لیے کہ اس نے میرے باپ کو مارا ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ اب گو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ گناہ معاف کر دیا تھا مگر اس کے بیٹے نے اسے معاف نہ کیا۔ جب لشکر مدینہ کو واپس چلا تو اُس کا بیٹا جلدی سے آگے نکل کر شہر کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ تلوار اُس کے ہاتھ میں تھی۔ جب عبداللہ بن اُبی بن سلول مدینہ میں داخل ہونے لگا تو اُس کے بیٹے نے کہا میں تمہیں اُس وقت تک شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تُو یہاں کھڑا ہو کر اس بات کا اقرار نہ کرے کہ تُو مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل انسان ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے سب سے زیادہ معزز شخص ہیں۔ اگر تُو نے اِس بات کا اقرار نہ کیا تو خدا کی قسم! میں اس تلوار سے تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا اور اِس بات کی قطعاً پروا نہیں کروں گا کہ تُو میرا باپ ہے۔ بیٹے کے منہ سے یہ بات سن کر وہ بہت گھبرایا اور جھٹ گھوڑے سے اُتر آیا اور مدینہ کے دروازہ میں کھڑے ہو کر اُس نے کہا اے لوگو! سن لو اور گواہ رہو کہ میں مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل

انسان ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے سب سے زیادہ معزز انسان ہیں۔ اِس کے بعد اُس کے بیٹے نے کہا اب تم اندر جا سکتے ہو ورنہ خدا کی قسم! اگر تم یہ اقرار نہ کرتے تو میں تمہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیتا بلکہ یہیں تمہیں قتل کر دیتا۔ 20

تو دیکھو ان لوگوں نے کیسی شاندار قربانیاں کی تھیں۔ آجکل تو کوئی اپنے دوست کے خلاف بھی بات نہیں سن سکتا لیکن وہاں بیٹا اپنے باپ کا رستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ تم یہ اقرار کرو کہ میں مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل شخص ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے سب سے زیادہ معزز شخص ہیں ورنہ میں تمہیں شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا بلکہ تلوار سے اسی جگہ ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

ہماری جماعت کو بھی دینی معاملات میں اِسی قسم کی غیرت دکھانی چاہیے اور پھر انتظار کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کس طرح مدد کرتا ہے۔ یقیناً اگر وہ ایسا کریں گے تو آسمان سے خدا تعالیٰ کے فرشتے پرے 21 باندھ کر نیچے اتریں گے اور وہ لوگوں کے دل دھو دھو کر احمدیت کے لیے صاف کر دیں گے۔ اور جو لوگ ان سے پہلے ایمان لاتے ہیں بعد میں آنے والے ان کے قدم چومیں گے اور ان کی قدر کریں گے کیونکہ جو شخص ایمان لے آتا ہے اُس کے اندر ایمان کی قدر بھی ہوتی ہے اور وہ جانتا ہے کہ پہلے ایمان لانے والے کی غیرت اس سے بہرحال زیادہ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایران سے عرب میں چکیاں آئیں جو نہایت باریک آٹا پیستی تھیں۔ جب ان چکیوں پر پہلی دفعہ آٹا پِسا تو وہ حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ آٹا ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے یہ آٹا سب سے پہلے حضرت ام المومنین عائشہؓ کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ آٹا حضرت عائشہؓ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اُس کی روٹی پکوائی۔ چونکہ آٹا میدہ کی قسم کا تھا اس لیے نہایت ملائم روٹی پکی۔ جب آپ نے ایک لقمہ منہ میں ڈالا تو آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگ گئے۔ وہ خادمہ جس نے روٹی پکائی تھی گھبرا کر کہنے لگی آٹا تو بہت ملائم ہے اور روٹی بھی اچھی پکی ہے پھر آپ روتی کیوں ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تُو نہیں جانتی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت آخری عمر میں کمزور ہو گئے تھے اور ہم دانوں کو پتھروں سے کُوٹ کر روٹیاں پکایا کرتی تھیں۔ چنانچہ جو روٹیاں تیار

ہوتی تھیں وہ بڑی سخت ہوتی تھیں اور وہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھایا کرتے تھے۔ آج اُن کے طفیل ہمیں یہ ملائم آٹا ملا ہے مگر مجھے یہ خیال کر کے رونا آیا کہ جن کے طفیل ہمیں یہ نعمت ملی وہ تو اس دنیا میں نہ رہے اور ہمیں یہ چیز مل گئی۔

حقیقتاً ہماری حالت بھی حضرت عائشہؓ جیسی ہی ہے۔ اسلام کو دنیا میں پھیلانے کے خواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھے تھے۔ آپ کے اشتہارات اِس بات سے بھرے پڑے ہیں کہ ہم نے یورپ اور امریکہ میں اسلام پھیلانا ہے لیکن آپ ساری عمر اپنے مخالفوں سے گالیاں کھاتے رہے بلکہ آپ کی وفات پر بھی لاہور والوں نے آپ کا مصنوعی جنازہ نکالا اور خوشیاں منائیں لیکن آپ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ دن نصیب کیا کہ ہم یورپ اور امریکہ میں تبلیغِ اسلام کر کے آپ کی خوابوں کو پورا کر رہے ہیں حالانکہ یہ سب کچھ اُنہی کے طفیل ہے اور ہمارا یہ کام آپ کی ہی دعاؤں اور تعلیم کا نتیجہ ہے۔ آپ نے ہمیں قرآن کریم کی وہ تفسیر سکھائی جس کی وجہ سے آج سارے پادری کہتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ بالکل حضرت عائشہؓ والی مثال ہے کہ ملائم آٹا جن کے طفیل ملا وہ تو دنیا میں نہ رہے اور بعد میں آنے والوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا۔ ہم کو بھی اسلام کی اشاعت کی توفیق ملی مگر اُس وقت جب ہمارے ہاتھ میں یہ ہتھیار دینے والا اور اسلام کے غلبہ کی خوابیں دیکھنے والا اِس دنیا میں نہیں ہے اب بھی ہماری خواہش یہی ہے کہ ہمارے ذریعہ اسلام اِس طرح پھیلے اور اِس طرح اس کی اشاعت ہو کہ ہم اسلام کی فتح کا جھنڈا قیامت کے روز آپؑ کے قدموں میں ڈال دیں اور کہیں اے مسیح موعود! یہ تیرے خوابوں کی تعبیر ہے، یہ تیری خواہشات کا ظہور ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام پہلے بھی موجود تھا، قرآن پہلے بھی موجود تھا مگر کسی مسلمان کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہ ہوا کہ اسلام دنیا پر غالب ہو۔ تیرے ہی دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور تُو نے ہی ہمیں وہ تفسیر سکھائی جس کی وجہ سے ہم ہر جگہ غالب ہو رہے ہیں۔ یہ جھنڈا تیرا ہی ہے اس لیے ہم اسے تیرے ہی قدموں میں ڈالتے ہیں۔ اب تیرا یہ منصب ہے کہ تُو یہ جھنڈا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دے کیونکہ اسلام لانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تیرے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی خبر دی تھی کہ تُو دنیا میں آئے گا اور اسلام کو دنیا میں غالب کرے گا۔ اس لیے تیری فتح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح ہے اور محمد رسول اللہ کی فتح

خدائے واحد کی فتح ہے۔ ہم تیرے آگے جھنڈا ڈالتے ہیں کیونکہ تُو نے ہمیں ہدایت دی۔ تُو آگے اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دے اور وہ آگے اسے خدا تعالیٰ کے حضور پیش کر دیں اور کہیں اے خدا! تُو نے مجھے توحید کی اشاعت کے لیے دنیا میں بھیجا تھا۔ میں نے وہ توحید دنیا میں قائم کر دی اور پھر اس کے بعد میں نے تیری ہدایت اور تیرے دیئے ہوئے علم کے ماتحت ایک آنے والے موعود کی خبر دی جس نے اسلام کو ساری دنیا میں غالب کر دیا اب میں یہ اسلام کا جھنڈا تیری خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ یہ توحید کا تحفہ ہے۔ یہ اِس بات کی علامت ہے کہ جو کام تُو نے ہمارے سپرد کیا تھا اُسے ہم نے پورا کر دیا ہے۔ پس اِس خوشی میں ہم یہ جھنڈا تیری خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

خدا کرے یہ مضمون ہمارے مبلغوں کے ذہن نشین ہو جائے اور وہ بھی جلدی جلدی کام کریں۔ ان میں سے بعض سُست ہیں اور بعض چُست ہیں۔ جو سُست ہیں اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ انہوں نے ایک دن مرنا ہے، قیامت کے دن ان کو کوئی عزت نہیں دی جائے گی لیکن جو چُست ہیں اور خدا تعالیٰ کی توحید کو دنیا میں پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن انہیں اپنے عرش کے دائیں طرف بٹھائے گا اور اُن سے وہی سلوک کرے گا جیسے باپ اپنے بیٹے سے کرتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کو اپنی توحید سے ویسی ہی محبت ہے جیسے باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے۔ پس جب وہ خدا تعالیٰ کی توحید کو دنیا میں پھیلائیں گے تو خدا تعالیٰ بھی ان سے ویسی ہی محبت کرے گا جیسے باپ اپنے بیٹے سے محبت کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ [22] یعنی تُو مجھے ایسا ہی پیارا ہے جیسے مجھے اپنی توحید اور تفرید پیاری ہے۔ آخر ساری دنیا سے عیسائیت اور شرک کا مٹانا کتنا بڑا کام ہے۔ وہ مسیح جسے عیسائیوں نے عرش پر بٹھا رکھا ہے اُسے زمین پر نیچے اُتار دینا معمولی آدمی کا کام نہیں تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کے مصنوعی خدا کو عرش سے نیچے پھینک دیا اور اس کی اپنی قوم سے اقرار کروالیا کہ مسیح ناصریؑ نیچے تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونچے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ جب مجھ پر بیماری کا حملہ ہوا اور میں علاج کی غرض سے لندن گیا تو ایک بہت بڑا مصنف ڈسمنڈ شا میرے پاس آیا اور اُس نے کہا شاید آپ مجھے پاگل قرار دیں گے کہ عیسائی ہو کر میں ایسی باتیں کرتا ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں عیسائی ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مسیح ناصریؑ سے بڑے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اعلیٰ تعلیم دنیا میں لائے وہ مسیح ناصریؑ نہیں لائے تھے۔ آپ حیران ہوں گے کہ میں عیسائی ہو کر ایسی بات کر رہا ہوں لیکن میں سچی بات کا انکار کیسے کر سکتا ہوں۔ میں جب اُسے رُخصت کر کے اپنے کمرہ کی طرف آیا تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے پیچھے پیچھے کوئی آ رہا ہے۔ میں نے مُڑ کر دیکھا تو ڈسمنڈ شا آ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا میرے دل میں ایک سوال پیدا ہوا تھا میں نے چاہا کہ آپ سے پوچھ لوں۔ میں نے کہا پوچھو کیا سوال ہے؟ وہ کہنے لگا جب میں یہ تقریر کرتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے نبی تھے تو مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ میری زبان سے خدا بول رہا ہے مگر یہ عیسائی لوگ پھر بھی نہیں مانتے۔ میں نے کہا ڈسمنڈ شا! جب آپ محسوس کرتے ہیں کہ خدا آپ کے اندر بول رہا ہے تو آپ سمجھتے ہیں کہ شاید دوسرے لوگ بھی اس آواز کو سن رہے ہیں حالانکہ دوسرے لوگ صرف تمہاری آواز سنتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی آواز نہیں سنتے اس لیے وہ تمہاری بات نہیں مانتے۔ وہ ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ جب یہ لوگ بھی خدا تعالیٰ کی آواز سننے لگ جائیں گے اور خدا تعالیٰ ان کے دلوں میں بھی بولا تو ان پر بھی اثر ہو جائے گا۔ میں نے کہا ابھی اِن لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب تم بولتے ہو تو یہ لوگ صرف تمہاری آواز سنتے ہیں۔ تم انتظار کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو کہ جب تم بولا کرو تو خدا صرف تمہاری زبان سے نہ بولے بلکہ لوگوں کے دلوں میں بھی بولے۔ اور جس دن وہ لوگوں کے دلوں میں بولنے لگے گا لمبی چوڑی تقریروں کی ضرورت نہیں رہے گی سارا یورپ تمہاری بات ماننے لگ جائے گا"۔ (الفضل 20 مئی 1958ء)

---

1 : بخاری کتاب بدء الخلق باب صفة النار و انها مخلوقة

2 : وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (آل عمران : 47)

3 : بخاری کتاب بدء الخلق باب صفة النّار (الخ)

4 : بخاری کتاب التهجد باب ماجاء فی التطوع مثنٰی مثنٰی

5 : الفرقان : 31

6 : سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 233 مطبوعہ مصر 1936ء

7 : السیرة الحلبیة جلد 3 صفحہ 83 مطبوعہ مصر 1935ء

8 : السیرة الحلبیة جلد 3 صفحہ 92 مطبوعہ مصر 1935ء

9: سیرت ابن ھشام جلد 2 صفحہ 1196 مطبوعہ دمشق 2005ء

10: السيرة الحلبية جلد 3 صفحہ 93 مطبوعہ مصر 1935ء

11: السيرة الحلبية جلد 3 صفحہ 97 مطبوعہ مصر 1936ء

12: السيرة الحلبية جلد 3 صفحہ 89 مطبوعہ مصر 1935ء

13: بخاری کتاب الصّلوٰة باب اَلْمَرْأَةِ تطرح عَنِ الْمُصَلّى شَيْئًا (الخ)

14: بخاری کتاب مناقب الانصار باب مَا لَقِيَ النَّبِيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم وَاَصْحَابُهٗ (الخ)

15: مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 475 مطبوعہ بیروت 1978ء

16: السيرة الحلبية جلد 3 صفحہ 106، 107 مطبوعہ مصر 1935ء

17: تاریخ ابن اثیر جلد 2 صفحہ 413۔ مطبوعہ بیروت 1965ء

18: الاستيعاب فی مَعْرِفَةِ الْاَصْحَاب جلد 3 صفحہ 191 مطبوعہ بیروت 1995ء

19: يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون: 9)

20: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 304، 305 مطبوعہ مصر 1936ء۔
السيرة الحلبية جلد 2 صفحہ 306 مطبوعہ مصر 1935ء

21 پَرے: قطاریں۔ جماعتیں

22: تذکرہ صفحہ 66 طبع چہارم